طالبان اور افغانستان

برصغیر پر جب انگریزوں کی حکومت تھی اور انہوں نے تین بار افغانستان پر حملہ کیا۔ تیسری اور آخری جنگ 1919ء میں لڑی گئی۔ جس کے بعد معاہدہ راولپنڈی کی رو سے افغانستان کی آزادی تسلیم کر لی۔ لیکن ملک میں شورش جاری رہی۔ 1928ء میں خانہ جنگی ہوئی اور 1933ء میں نادر شاہ قتل ہوا۔ جو 1929ء میں برطانیہ کی مدد سے افغانستان کا حکمران بنا تھا۔ اس کے بعد اس کے 17 سالہ بیٹے ظاہر شاہ نے تخت سنبھالا۔

ظاہر شاہ 1973ء تک حکمران رہا۔ اس کے عہد میں افغانستان میں روسی عمل دخل بڑھا۔ روسی وزیر اعظم خردشیف نے 1956ء میں افغانستان کا دورہ کیا۔ ظاہر شاہ کی طرف سے روسیوں کی حوصلہ افزائی سے افغانستان میں کیمونزم کا اثر ورسوخ بڑھا۔

نادر شاہ اور پھر ظاہر شاہ کی اصطلاحات افغانیوں کے لیے قابل قبول نہ تھیں۔ ظاہر شاہ کے دور میں دارالحکومت کابل جدید ترین اور ترقی یافتہ شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مغربی لباس اور تہذیب کا طبقہ شائق تھا۔ جبکہ درمیانہ نچلا طبقہ اس کو پسند نہ تھا۔ اور نہ ہی کیمونزم کو ظاہر شاہ (1973ء - 1933ء) اپنے طویل دور حکومت میں افغان معاشرت کے خدوخال بدلنے میں ناکام رہا۔ 17 جولائی 1973ء میں سردار داؤد نے ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا۔ جبکہ دوسری جانب روس، افغانستان نے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے میں مصروف تھا۔

نور محمد شرکئی کے گھر کیمونسٹ نظریات کی حامل پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان کی بنیاد رکھی گئی۔ ببرک کارمل پارٹی کے بانی رکن تھے۔ افغانستان میں روسی دلچسپی کی اصل وجہ گوادر اور مکران کے ساحلوں جسے اصطلاح ہیں، جنہیں گرم پانیوں کی بندرگاہیں کہا جاتا ہے، تک پہنچنے کی خواہش تھی کیونکہ روس کی اپنی بندرگاہیں قطب شمالی کے نزدیک ہونے کی وجہ سے سال کے اکثر ماہ بند رہتی تھیں۔ گرم پانیوں تک پہنچنے کی خواہش نے روسی صدر برزنیف کو ایشین سکیورٹی پیش کرنے کے محرکات فراہم کیے۔ جسے پاکستان نے مسترد کر دیا۔ دوسری وجہ روس کی کیمونسٹ حکومت کی توسیع پسندانہ پالیسی تھی۔ اپنی اسی پالیسی کے تحت وہ مشرقی یورپ کے بیشتر ممالک کو اپنے تابع کر چکا تھا۔ جبکہ ایشیاء میں اپنی پیش قدمی بڑھانا چاہتا تھا۔ روس کی سرپرستی میں 17 اپریل 1978ء کو نور محمد شرکئی نے سردار داؤد کا تختہ الٹ دیا اور سردار داؤد کو قتل کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔

اس انقلاب کے بعد افغانستان اور روس نے 30 مختلف معاہدوں پر دستخط کیے، جن میں 5 نومبر 1978ء کو ہونے والا معاہدۂ دوستی بھی شامل تھا۔ یہ انقلاب "انقلاب ثور" کہلایا۔

1978ء میں پاکستان کے صدر مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق نے افغانستان کا دورہ کیا، جس نے پاکستان کے

بارے میں افغان رہنماؤں کے رویے میں تبدیلی کے آثار پیدا کیے، جو روس کے لیے قابل قبول نہ تھے۔ چنانچہ حفیظ اللہ امین کے ذریعہ نور محمد ترکئی کا تختہ الٹ دیا۔ بعد میں حفیظ اللہ امین بھی ناقابل اعتبار ٹھہرا اور روس نے افغانستان میں براہ راست مداخلت کرنے کا فیصلہ کیا۔ 9 دسمبر 1979ء کو روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ حفیظ اللہ امین کی جگہ ببرک کارمل کو افغانستان کا کٹھ پتلی حکمران بنایا گیا۔ افغانستان پر روسی جارحیت نے امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں روس کی توسیع پسندی کا احساس پیدا کیا۔ ایران اور پاکستان اس فوجی مداخلت سے براہ راست متاثر ہوئے کیونکہ 30 لاکھ سے زائد افغان شہری دونوں ممالک میں پناہ گزین ہوئے۔ اس نازک وقت میں پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے پوری جرأت سے حالات کا اندازہ لگایا۔ وہ جانتے تھے کہ افغانستان کے بعد روس کا اگلا شکار پاکستان ہو گا۔ اور پاکستان کے گرم پانیوں تک پہنچنے کا مطلب خلیج کے تیل کی دولت کے گرد حصار اور اشتراکی اثر ونفوذ میں اضافہ ہو گا۔ وہ امریکہ اور مغربی ممالک کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ اگر روس کو افغانستان میں نہ روکا گیا تو پھر اس کے لیے پاکستانی بندرگاہیں اور خلیج کے تیل تک پہنچنا مشکل نہیں۔

بہادر افغان قوم نے بھی روس کے خلاف مزاحمت کی عظیم تحریک شروع کی، جس کی حمایت میں پاکستان کی فوجی قیادت اور عوام خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے۔ امریکہ اور یورپی عوام کو خلیج کے تیل کے کنویں ہاتھ سے نکلتے دکھائی دیے اور روسی قیام و نظم ایک عفریت کی مانند مغربی دنیا کے گرد منڈلاتا دکھائی دیا، چنانچہ وہ روسی دشمنی اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے افغانستان کو پاکستان کے ذریعے مالی اور فوجی امداد دینے پر آمادہ ہو گئے۔

اگرچہ پاکستان کے اندر بھی حکومت کے اس اقدام کی مخالفت ہوئی، لیکن جنرل ضیاء الحق کا ایک ہی جواب تھا کہ افغانستان ہماری جنگ لڑ رہے ہیں اور اگر ہم ان کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں تو ان کی کامیابی کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے بس میں ہے، ان کا یہی جواب سب کو لاجواب کر گیا تھا۔

یہ بات ایک ناقابل فراموش حقیقت اور ملت اسلامیہ کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے کہ تاریخ کے نازک ترین موقع پر افغانستان کے مجاہدین اور پاکستانی جرنیل ایک چٹان کی مانند کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا ورنہ روس نے اس سے بیشتر جہاں پیش قدمی کی، وہاں ناکام واپس نہیں لوٹا۔

اس جہاد میں افغانستان کی مختلف 9 بڑی جماعتوں کا اہم کردار ہے، جو روسی فوجوں کو افغانستان سے نکالنے کے اہم نکتہ پر متحد ہو چکی تھیں۔

دسمبر 1979ء سے اپریل 1988ء تک دس لاکھ کے قریب افغان باشندے شہید ہوئے۔ لاکھوں کی تعداد میں بے گھر ہوئے۔ روسی افواج نے ان پر ہر طرح کے مظالم روا رکھے لیکن افغان مجاہدین نے اپنی گوریلا طرز کی جنگ کے ذریعے روسیوں کا ناطقہ بند کیے رکھا۔ جوں جوں یہ جنگ طول پکڑتی گئی، روسی فوجیں حوصلہ ہارتی گئیں۔ عالمی رائے عامہ تو پہلے ہی ان کے خلاف تھی خود ان کے اپنے ملک میں معاشی ابتری کے آثار نمودار ہونے لگے اور روسی مائیں یہ پوچھنے لگیں کہ ہمارے نوجوان بیٹے جن کی لاشیں افغانستان سے روزانہ ماسکو پہنچتی ہیں۔ کون سے عظیم مقصد کے لیے قربان کیے جا رہے ہیں؟

اس جنگ نے روس کو سیاسی، معاشی اور فوجی لحاظ سے کھوکھلا کر دیا۔ جہاں ایک طرف روسی فوجوں اور مجاہدین کے درمیان گوریلا جنگ چل رہی تھی، وہیں جنیوا میں پاکستان اور افغانستان کے مابین مذاکرات چل رہے تھے۔ اس جنگ میں روسی فوجوں نے بہت مظالم ڈھائے۔ یہاں تک کہ پاکستان بھی شہری علاقوں میں ہونے والے بم دھماکوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ چترال اور لنڈی کوتل کی طرف سے روسی طیارے تقریباً روزانہ پاکستان کی فضائی

حدود کی خلاف ورزی کرتے اور بعض دفعہ تو بم بھی پھینک جاتے لیکن نہ ہی مجاہدین کسی بھی سطح پر ہمت ہارے اور نہ ہی پاکستان نے کمزوری کا ثبوت دیا اور روس ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا۔

1987ء میں روس نے افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانے کا اعلان کر دیا۔

اپریل 1988ء کو معاہدہ جنیوا ہوا، جس کے تحت افغانستان سے روسی فوجوں کا انخلاء شروع ہو گیا۔ اس معاہدے کے تحت افغانستان اور پاکستان نے عدم مداخلت کا وعدہ کیا۔

1۔ طاقت کے استعمال کی دھمکی اور اس سے گریز کرنا

2۔ ایک دوسرے کی آزادی اور خودمختاری کا احترام کرنا۔

3۔ معاہدانہ پروپیگنڈہ نہیں کیا جائے گا۔

دہشت گردی کی روک تھام کی جائے گی اور تربیتی کیمپ قائم نہیں کیے جائیں گے۔

روسی افواج کی واپسی کے بعد بھی افغانستان میں قیام امن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ افغان جہاد میں حصہ لینے والی 9 مختلف الخیال جماعتیں جب اپنے واحد مقصد میں کامیاب ہو گئیں تو ان کے درمیان خود اقتداری کی کشمکش شروع ہو گئی۔ افغان جہاد میں جذبہ ایمانی سے شرکت کرنے والے حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہو رہا ہے۔ مگر صورتحال کو کنٹرول کرنا کسی کے اختیار میں نہ رہا۔ ہر جماعت کے پاس اپنا اسلحہ اور مجاہدین تھے۔

1991ء میں افغانستان کے صدر نجیب اللہ مستعفی ہو گئے۔ احمد شاہ کابل پر حملوں میں مصروف رہے۔

پاکستان میں افغان لیڈروں اور افغان انتظامیہ کے درمیان افغانستان کے آئندہ حکومتی ڈھانچے پر مذاکرات ہوئے اور 24 اپریل 1991ء کی درمیانی شب معاہدہ پشاور کا اعلان ہوا۔ مندرجہ ذیل اقدامات کو منظور کیا گیا:

(1) عبوری حکومت کو دو ماہ بعد اقتدار منتقل کرنا تھا۔

(2) صفت اللہ مجددی کو عبوری طور پر صدر بنایا گیا۔

(3) حکمت یار کو بھی حکومت میں نمائندگی دی گئی۔

(4) افغان کابینہ میں مختلف جماعتوں کو نمائندگی دی گئی۔ احمد شاہ مسعود کو وزیر دفاع بنایا گیا۔

حکومت پاکستان کی کوششوں کے نتیجے میں ہونے والا یہ امن معاہدہ کاغذ کے پرزے کی مانند ثابت ہوا اور افغان مجاہدین کے گروپ میں برسرپیکار رہے۔

اس جنگ کے نتیجے میں سوویت یونین کا شیرازہ بکھر گیا۔ دنیا کی دوسری بڑی طاقت 1991ء میں اپنی موت آپ ہی اس وقت مر گئی، جب شدید اقتصادی اور سیاسی بحران کے باعث اس کی ریاستیں اس سے الگ ہونے لگیں۔ وسط ایشیاء کی مسلم ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ مشرقی یورپ بھی روسی تسلط سے آزاد ہو گیا۔ کمیونزم ناکام ہو گیا۔ یہ پاکستان اور افغانستان مجاہدین کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ تھا۔ جنرل ضیاء الحق 3 سال پہلے 1988ء میں ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہو چکے تھے۔ افغان رہنماؤں نے ان کو شہید جہاد افغانستان قرار دیا۔ روس کا شیرازہ بکھرنے سے امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب کوئی ان کے مدمقابل نہ رہا۔ جس کے باعث افغان کی صورتحال سے کسی کو دلچسپی نہ رہی، کوئی ان کی جنگ رکوانے والا نہیں ہے۔

اکتوبر 1994ء میں افغانستان میں ''طالبان'' کے نام سے ایک نیا علم ابھرا اور اس نے افغانستان میں فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اکتوبر 1995ء میں طالبان کی افغانستان میں رشید دوستم، حکمت یار ربانی سے طالبان

کی جنگی کارروائیاں شدت اختیار کر گئیں۔ نومبر 1995ء میں طالبان فوجیں کابل کے نواح میں پہنچ گئیں۔ جولائی 1996ء میں گلبدین حکمت یار افغانستان کے وزیراعظم بنے تو انہوں نے ملک میں شرعی قوانین نافذ کر دیے۔ سینما گھروں کو بند کر دیا، افغان ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے غیر اسلامی گانوں اور موسیقی پر پابندی لگا دی۔

جب اس نے اپنی کارروائیوں سے متحارب گروپوں کو شکست دیتے ہوئے افغانستان پر کنٹرول کرنا شروع کیا، کابل کو فتح کرکے اور افغانستان کے 70% حصے پر قابض ہو کر انہوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں امن وامان بھی قائم کیا اور اسلامی شریعت کے قوانین کا احیاء بھی طالبان کے کمانڈر ملا محمد عمر ہیں۔

طالبان کے خلاف لڑائی میں وہ تمام گروپ جو پہلے روسی فوج کو واپس بھیجنے کے لیے متحد تھے دوبارہ متحد ہو گئے۔ صرف مولوی محمد یونس خالص کی حزب اسلامی غیر جانبدار رہے جبکہ تاجک، پشتون، ازبک، سنی شیعہ سب اپنے اپنے حوالوں سے ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں۔

طالبان میں شامل زیادہ تر نوجوان شامل ہیں اور انہوں نے پاکستان کے علاقوں بلوچستان اور صوبہ سرحد کے دینی مدارس سے تعلیم حاصل کی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن 1996ء۔1993ء میں بے نظیر حکومت کے حلیف رہے اور انہوں نے طالبان کی پیش قدمی کو خوش آئند قرار دیا اور ان کی مدد کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کے دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہزاروں طلبہ نے طالبان کے ہمراہ افغانستان جنگ میں حصہ لیا۔

طالبان نے ستمبر 1995ء میں جب ہرات پر قبضہ کیا تو یہاں ایران سے اس کی براہِ راست محاذ آرائی شروع ہو گئی۔ ہرات طویل عرصے تک ایران کے زیر سایہ رہا اور یہاں کی آبادی فارسی بولتی ہے۔ ستمبر 1996ء میں طالبان نے حکمت یار احمد شاہ مسعود کی باہمی آویزش سے فائدہ اٹھا کر کابل پر اپنا قبضہ کر لیا۔ کابل پر کنٹرول کے بعد طالبان نے شمالی علاقوں کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ مئی 1997ء کو انہوں نے شمالی اتحاد کے مضبوط گڑھ مزار شریف پر شدید لڑائی کے بعد قبضہ کر لیا۔ ان کا یہ قبضہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ شمالی اتحاد نے دوبارہ مزار شریف کا کنٹرول سنبھال لیا۔ حکومت پاکستان نے طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

طالبان کے اقتدار سنبھالتے ہی تیزی سے اسلامی نظام کے نفوذ کے لیے اقدامات کیے گئے۔ خواتین پر تعلیم کے دروازے بند کر دیے گئے، گھروں سے باہر نکلنے پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ چوراہے پر سابق افغان صدر نجیب اللہ کو پھانسی دے دی۔ ان اقدامات نے طالبان کی مخالفت میں اضافہ کر دیا۔ یورپ اور امریکہ میں طالبان کے ان اقدامات کو انسانی حقوق کی صریحاً خلاف ورزی قرار دیا۔ اور ان کی مذمت کی جانے لگی۔ افغانستان میں بھی اس کا شدید ردعمل ہوا۔ تعلیم یافتہ پٹھانوں نے بھی اس کی مذمت کی۔ ان اقدامات کا یہ نقصان ہوا کہ مغربی دنیا نے طالبان کی حکومت کو تا حال تسلیم نہ کیا۔ صرف سعودی عرب، پاکستان اور متحدہ عرب امارات نے ہی طالبان حکومت کو تسلیم کیا۔ جبکہ دوسرے مسلمان اور عرب ممالک نے الزام لگایا کہ انہوں نے اسلام کو غلط انداز میں پیش کیا اور اسلام کے نام پر لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر رہے ہیں۔

طالبان کی قیادت ناتجربہ کار تھی، انہیں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ قائد ملا محمد عمر نہ تو کسی غیر ملکی (سوائے پاکستان) حکام سے ملاقات کرتے تھے اور نہ غیر ملکی صحافیوں کو انٹرویو دیتے ہیں۔ ملا محمد عمر تمام فیصلے دس رکنی سپریم شوریٰ کے مشورے سے کرتے ہیں۔ اس وقت طالبان کے زیر انتظام دو مجالس شوریٰ کام کر رہے ہیں۔ ایک کابینہ، دوسری سپریم شوریٰ۔ کابینہ نظم ونسق سنبھالتی ہے جبکہ سپریم شوریٰ ملک کے دوسرے معاملات کنٹرول کرتی ہے۔